محمد جعفر پھلواروی

اک شمع رہ گئی تھی ...... سو

مرحوم خلیفہ عبدالحکیم صاحب کی اچانک جدائی کے بعد ہم سب فکر مند تھے کہ اب کون سی شخصیت ہے جو ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کو سنبھال سکے گی۔ یوں کو کسی کو بھی اونچی کرسی پر بٹھا دیا جائے وہ کچھ نہ کچھ کام کر ہی لیتا ہے لیکن ضرورت ایک ایسے شخص کی تھی جو ہمہ جہت ہو اور رفقائے ادارہ کے مزاج، صلاحیت اور طریق کار کو سمجھ سکے اور علمی مشاغل کے ساتھ انتظامی معاملات کی بھی اچھی سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ بالائی حلقوں میں صرف متعارف ہی نہ ہو بلکہ اپنا اثر و رسوخ بھی رکھتا ہو۔

خوش قسمتی سے ہمارے بورڈ آف ڈائرکٹرز میں عالیجناب چیف جسٹس ایس۔ اے۔ رحمٰن صاحب موجود ہیں جو اس ادارے سے نہ فقط ہمیشہ ہمدردانہ دلچسپی ہی لیتے رہے بلکہ ادارے کے مندرجہ بالا تمام تقاضوں اور نزاکتوں سے واقف ہیں۔ ان کی نظر انتخاب جناب پروفیسر میاں محمد شریف صاحب پر پڑی اور بورڈ آف ڈائرکٹرز کی تائید سے یہ انتخاب عمل میں آگیا۔ لیکن صرف چند سال کے بعد یہ بھی ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میاں صاحب مرحوم کا اصل موضوع فلسفہ تھا مگر رفقائے ادارہ کے کاموں کو بھی سمجھتے تھے۔ خوش قسمتی سے ہمارے صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میاں صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فیلڈ مارشل اس ادارے کو دیکھنے کے لیے بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ اس وقت ان کے ساتھ مغربی پاکستان کے گورنر جناب امیر محمد خاں اور وزیر خارجہ

جناب ذوالفقار علی بھٹو بھی تھے۔ اس وقت کی کئی یادگاریں گروپ فوٹو کی شکل میں اب بھی ادارے میں موجود ہیں۔

میاں صاحب مرحوم خوش حال اور معزز اور اہل علم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو میاں فیملی کے نام سے مشہور ہے۔ بااثر تھے اور اپنے پیچھے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ چھوڑ گئے ہیں۔

ادارے کے اکیڈمک ڈائرکٹر ہو کر جب آئے تو ستر سے متجاوز تھے۔ مگر ان کی پابندی، محنت اور چستی پر جوانوں کو بھی رشک آتا تھا۔ جس کام کی ذمے داری لی اسے چاق چوبند اور چوکس رہ کر پورا کیا۔ ادارے میں جگہ کی بڑی تنگی محسوس ہوتی تھی۔ میاں صاحب کو خیال آ گیا اور لگ گئے۔ نہ دھوپ کی پروا کی نہ بارش کی۔ نہ سردی کی نہ گرمی کی۔ بس جُٹ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یک منزلہ عمارت سہ منزلہ بن گئی۔ مطبوعات کے لیے جو بڑا ہال بنوایا وہ الگ ہے۔ اس وقت ہمیں محسوس ہوا کہ ان میں تعمیری صلاحیت بڑی اچھی ہے۔

مرحوم کو ایک دھن یہ بھی تھی کہ کم سے کم دام میں بہتر سے بہتر کام ہو۔ ہم لوگوں کے لیے باہم مشورے سے وہ کام تجویز کرتے تھے۔ ان کے دور میں میری کئی کتابیں شائع ہوئیں اور آخر میں انھوں نے ایک بڑا لمبا اور مشکل کام میرے سپرد کیا اور وہ یہ کہ سنی شیعہ کی متفق علیہ روایات کو یکجا کیا جائے۔ یہ برسوں کا کام جہاں مشکل ہے وہاں ایک ایسا کام بھی ہے جو میرے علم میں اب تک کسی نے نہیں کیا ہے۔ اس کی آٹھ قسطیں شائع ہوئی تھیں کہ اس کام کے علاوہ ایک دوسرے کام میں بھی لگا دیا۔

ایک Legal Sub-Committee کی تشکیل عمل میں آئی جس کی سربراہی میرے سپرد ہوئی۔ ایک عربی کے پروفیسر، دو وکیل اور ایک عالم میری مدد کے لیے تجویز ہوئے۔ کام یہ ہے کہ نکاح وطلاق، خلع، وراثت کے متعلق ایک ضابطہ مرتب کیا جائے۔ رائج الوقت آرڈی ننس میں جہاں ترمیم واضافہ کی ضرورت ہو وہ بھی کر دیا جائے۔ بحمداللہ یہ کام بھی ہو رہا ہے۔

میاں صاحب مرحوم اپنے روزانہ کے معمولات میں غذا اور دوا میں بڑے محتاط واقع ہوئے تھے، اسی لیے ۷۶ سال گزرنے کے باوجود جوانوں کی طرح چست رہتے تھے۔ لیکن محنت کرنے میں بالکل محتاط نہ تھے۔ گھر والوں کے علاوہ خود ہم لوگ بھی انھیں روکا ٹوکا کرتے تھے۔ لیکن زیادہ محنت سے باز نہ آتے تھے۔

ادھر کئی سال سے مرحوم کے ایک نہایت بے تکلف دوست جناب محبوب عالم صاحب علیگڑھی ادارے میں آتے جاتے رہے تھے۔ ان کی وجہ سے میاں صاحب کا دل خوب بہلتا تھا۔ آخر میاں صاحب نے ان سے کہا کہ اپنے ماہنامہ 'تہذیب الاخلاق' کا دفتر بھی ادارے میں لے آیئے۔ وہ دفتر آ گیا تو تہذیب الاخلاق ٹرسٹ کے کاموں میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ کہیں عمارت کے نقشے بن رہے ہیں، کہیں زمین دیکھی جا رہی ہے۔ کہیں ٹھیکیداروں سے مباحثہ ہو رہا ہے، اور کہیں عمارت کی دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ غرض اپنی محنت کی عادت ادھر بھی صرف کرنی شروع کر دی۔

عجیب اتفاق ہے کہ جس دن عمارت کا افتتاح ہونے والا تھا اس دن جناب محبوب عالم صاحب نے تمام رفقائے ادارہ کی پر تکلف دعوت کی اور ہم لوگوں کو تقریباً تیس میل کے فاصلے پر اس عمارت میں لے گئے جس کا نام نیو علی گڑھ ہے۔ میاں صاحب مرحوم کا بھی وہاں جانا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ لیکن اس دن وہ ادارے میں صوفے پر لیٹے تھے۔ کہا آج طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے میں اتنی دور نہیں جاؤں گا۔

ہم سب لوگ خوشی خوشی وہاں گئے۔ دعوت کھائی اور واپس آ گئے۔ یہ کسے معلوم تھا کہ آج ہم میاں صاحب سے آخری ملاقات کر رہے ہیں، اور آج ہی شب کو گیارہ بج کر چالیس منٹ گزرنے کے بعد وہ نہ کبھی ہم لوگوں کو دیکھیں گے، نہ ادارے میں آئیں گے اور نہ نیو علی گڑھ کی عمارت میں قدم رکھیں گے۔

یہ واقعہ ہے کہ " قدر مردم بعد مردن "۔ جس ادارے کی داغ بیل مرحوم خلیفہ عبدالحکیم

نے ڈالی تھی اسے میاں صاحب مرحوم نے عمدگی سے سنبھالا اور کئی جہت سے اسے ترقی دی۔

مجھ سے معلوم نہیں کیوں انھیں کچھ روحانی سا لگاؤ بھی تھا۔ ان کی بات یا مزاج نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ ان سے الجھ پڑتے تھے۔ لیکن میرے ساتھ الجھنے کی کبھی نوبت نہ آئی۔ وہ مجھ پر بعض اوقات اتنا زیادہ اعتماد کرتے تھے کہ مجھے شرم سی آنے لگتی تھی۔ میں جب حج کو جانے لگا تو کہنے لگے کہ کاش! آپ میری طرف سے بھی حج بدل کر آتے۔ میں نے کہا کہ حج بدل کے لیے وہ شخص زیادہ موزوں ہے جو خود پہلے حج کر چکا ہو۔ کہنے لگے اچھا آپ حج کر آیے پھر آئندہ سال دیکھا جائے گا۔ مگر وہ وقت آنے سے پہلے ہی وہ سفر حج سے زیادہ طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔

سال گزشتہ میں مرحوم سے عید ملنے گیا تو ان کی بیگم صاحبہ اور ایک صاحبزادی بھی موجود تھیں۔ میاں صاحب نے مجھ سے ایک نعت کی فرمائش کر دی۔ میں اس کے لیے تیار ہو کر تو نہ گیا تھا لیکن ان کی بات ٹالی بھی نہ جا سکتی تھی۔ ایک نعت پڑھی تو دونوں بے حد متاثر ہوئے اور اس وقت ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا دھیان دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف لگ رہا ہے۔ ادارے میں بھی کبھی کبھی فرمائش کرتے تھے اور میں بے تکلف سنا دیا کرتا تھا۔ مرنے سے چند دن پہلے کی بات ہے کہ چائے کا دور چلنے لگا تو انھوں نے فرمائش کر دی۔ میں نے آرزو سہارنپوری (مسٹر شادی لال کے بھتیجے داماد جو مسلمان ہو گئے تھے) کا کلام سنایا اور آرزو کے کچھ حالات زندگی سنائے تو بہت متاثر ہوئے اور فرمائش کی اس شاعر کے جتنے حالات اور جتنا کلام مل سکے یکجا کر کے اسے ماہنامہ ثقافت میں دیجیے۔ ابھی آرزو پر لکھنے کی آرزو باقی ہی تھی کہ فرمائش کرنے والا ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو کر بہت سی آرزوؤں کا خون کر گیا۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔